

از عدالت عظمیٰ

5 مئی 1954

نار سنگھ اور دیگر

بنام

ریاست اتر پردیش۔

[مکھرجیا، ویوین بوس اور غلام حسن جسٹس صاحبان]

بھارت کا آئین۔ آرٹیکل 134(1)(سی) اور 136(1)۔ قانون کے غلط نظریے کے تحت عدالت عالیہ کی

طرف سے دفعہ 134(1)(سی) کے تحت غلط طور پر دی گئی سند۔ عدالت عظمیٰ کے ذریعے مداخلت۔ دفعہ 136
(1) کے تحت خصوصی اجازت۔

اصل میں 24 افراد کو آئی پی سی کے دفعات 302/149 وغیرہ کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ ان میں سے صرف تین کو
بالآخر عدالت عالیہ نے مجرم قرار دیا۔ تاہم عدالت عالیہ نے غلطی سے تین میں سے ایک N کو مجرم قرار دیا، جسے اصل میں
بری کرنا تھا۔ بعد میں اس نے حکومت کو اپنی غلطی سے آگاہ کیا۔ حکومت نے غلطی سے N کو دی گئی سزا کو معاف کرنے کے
احکامات جاری کیے اور اس کی رہائی کی ہدایت دی۔ N اور دیگر دو مجرموں نے آرٹیکل 134(1)(سی) کے تحت ٹیٹھکیٹ
کے لیے درخواست پیش کی۔ عدالت عالیہ نے اس بات پر غور کرتے ہوئے N کو ایک سند دی ہے بصورت دیگر قتل کے
الزام کا بدنامی کا داغ مستقبل میں اس پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔ جہاں تک دیگر دو کا تعلق ہے، ان کے مقدمات میں ٹیٹھکیٹ
جاری کرنے کی ضمانت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا لیکن عدالت عالیہ نے انہیں یہ سوچ کر ٹیٹھکیٹ دے دیا کہ وہ ایسا
کرنے کا پابند ہے کیونکہ آرٹیکل 134(1)(سی) ایک "کیس" کی بات کرتا ہے اور اس کے سامنے مجموعی طور پر واحد کیس
اپیل تھی۔

مانا گیا ہے، (1) کہ عدالت عالیہ کا نظریہ غلط تھا کیونکہ آرٹیکل 134(1)(سی) میں استعمال ہونے والا "لفظ

"کیس" کا مطلب ہر فرد کا معاملہ ہے۔

(2) یہ کہ عدالت عالیہ نے دو مجرموں کے سلسلے میں قانون کے بارے میں خود کو غلط سمت میں پیش کیا تھا اور اس

میں موجود صوابدید کا استعمال یہ سوچ کر نہیں کیا تھا کہ یا تو اس معاملے میں اس کی کوئی صوابدید نہیں ہے یا اس کی صوابدید جکڑی ہوئی ہے اور اس وجہ سے عدالت عظمیٰ بھارت میں تمام کونوں پر عدالتی نگرانی کے عمومی اختیارات حاصل ہیں، مداخلت کرنے کا پابند تھا۔

(3) اپیل ناکام ہونی چاہیے کیونکہ آرٹیکل 134(1)(سی) کے تحت سٹیفلیٹ غلط طور پر منظور کیا گیا تھا اور حقائق کے پیش نظر یہ مقدمہ آرٹیکل 136(1) کے تحت خصوصی اجازت کے لیے مناسب نہیں تھی۔

سجھانند چودھری بنام پوربا کرشنا مترا [1940] (ایف سی آر 31)، بنارس پارشد بنام کاشی کرشنا (28 آئی اے 13-11)، رادھا کرشنا آئیر بنام سوامی ناتھ آئیر (48 آئی اے 31-34)، رادھا کرشنا داس بنام رائے کرشن چند (28 آئی اے 182-183)، سوامی نارائن جیتلال بنام آچاریہ دیویندر پرساد جی (اے آئی آر 1946 پی سی 100، 102)، بھاگتی دینی بنام مرالی دھرساھو (اے آئی آر 1943 پی سی 106، 108) اور برج اندرسنگھ بنام کانٹی رام (ایل ایل آر 45 Cal. 94، 107) کا حوالہ دیا گیا ہے۔

فوجداری ایپیلیٹ کا دائرہ اختیار: فوجداری اپیل نمبر 4 بابت 1952۔

آئین بھارت کے آرٹیکل 134(1)(c) کے تحت مورخہ 7 مئی 1951 کے فیصلے اور حکم سے آلہ آباد عدالت عالیہ کے جوڈیکل پیکر میں فوجداری اپیل نمبر 350 سال 1950 جو 9 مارچ 1950 کو ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت کے فیصلے اور حکم سے پیدا ہوئی ہے، استھ میں عدالتی مقدمات نمبرات 127 سال 1949 اور 10 سال 1950۔

اپیل کنندہ کی طرف سے ایس پی ورما۔
جواب دہندہ کی طرف سے سی پی لال۔

5 مئی 1954 کو عدالت کا فیصلہ بوش جج کے ذریعے سنایا گیا تھا۔ 24 افراد، جن میں دو اپیل کنندگان شامل تھے، مجموعہ تعزیرات بھارت کے دفعہ 148، 307/149 اور 302/149 کے تحت جرائم کے لیے مقدمہ چلایا گیا۔

سولہ کو بری کر دیا گیا اور باقی آٹھ کو مجرم قرار دیا گیا۔ عدالت عالیہ میں اپیل پر پانچ مزید افراد کو بری کر دیا گیا اور صرف دو اپیل کنندگان، نارنگھ اور روشن سنگھ، اور ایک ننھو سنگھ جن کی سزاؤں کو برقرار رکھا گیا۔

شواہد کو متجسس طور پر غلط طریقے سے پڑھنے سے ننھو سنگھ کو بچن سنگھ کے ساتھ ملا دیا گیا۔ عدالت عالیہ کا اصل مقصد بچن سنگھ کو مجرم قرار دینا اور ننھو سنگھ کو بری کرنا تھا۔ اس کے بجائے انہوں نے بچن سنگھ کو بری کر دیا اور ننھو سنگھ کو مجرم قرار دیا۔ جیسے ہی عدالت عالیہ کے ججوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے ریاستی حکومت سے رابطہ کیا اور اس کے بعد حکومت کی طرف

سے ایک حکم نامہ جاری جس میں نتھو کو غلطی سے دی گئی سزا کو معاف کرنے اور اسے رہا کرنے کی ہدایت دی۔

آئین کے آرٹیکل 134(1)(سی) کے تحت نتھو سنگھ اور دو ایپیلیٹ نارسنگھ اور روشن سنگھ کی طرف سے سٹیفلیٹ کے لیے درخواست دی گئی۔ عدالت عالیہ نے صحیح طور پر غور کیا کہ نتھو سنگھ کے معاملے میں سٹیفلیٹ جاری کیا جانا چاہیے کیونکہ ریاستی حکومت کی طرف سے اس کی سزا کی معافی اور اس کی رہائی، اس کا جرم دیگر چیزوں کے علاوہ، قتل کے الزام میں سزا بھی باقی ہے، اور عدالت عالیہ نے سمجھا کہ اس کا بدنامی کا داغ مستقبل میں اس پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔ جہاں تک باقی دو کا تعلق ہے ان کے مقدمات میں سٹیفلیٹ کے اجراء کی ضمانت دینے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا لیکن عدالت عالیہ کے ماہر ججوں نے سوچا کہ (ہماری رائے میں غلط ہے) کہ ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ آرٹیکل 134(1)(c) ایک کیس کی بات کرتا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے صرف ایک ہی کیس مجموعی طور پر اپیل ہے۔ یہ، ہماری رائے میں، غلط ہے۔ "کیس" جیسا کہ وہاں استعمال کیا جاتا ہے اس کا مطلب ہر فرد کا معاملہ ہے۔ ایسا تب بھی ہوتا اگر مقدمہ خود عدالت عالیہ کے ذریعے ہوتا لیکن یہ اپیل پر اور بھی زیادہ ہوتا کیونکہ اگرچہ کئی افراد اپیل کا مشترکہ میمورنڈم پیش کرنے میں شامل ہو سکتے ہیں (اگر زیر بحث عدالت قواعد اجازت دیتے ہیں)، ان مقاصد کے لیے ہر ایک کی اپیل ایک علیحدہ "کیس" بناتی ہے۔ یہ اس حقیقت سے واضح ہے کہ سزا یافتہ ہر شخص کو اپیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی مشترکہ میمورنڈم کے تحت ایک ہی وقت میں کئی مجرموں کو اپیل کرنی کی ضرورت ہے۔ اور اگر "کیس" کو مجموعی طور پر اس معنی میں بھیجنا ضروری تھا جس پر عدالت عالیہ کے جج غور کرتے، تو ان کو بھی شامل کرنا ضروری ہوگا جنہیں بری کر دیا گیا تھا تاکہ "کیس" (اس لحاظ سے) کا مکمل جائزہ لیا جا سکے۔ ہم واضح کرتے ہیں کہ آرٹیکل 134(1) کے تناظر میں اس لفظ کا مطلب یہ نہیں ہے اور یہ کہ عدالت عالیہ کا ایسا سوچنا غلط تھا۔

سند حاصل کرنے کے بعد نتھو نے اپیل نہیں کی اور صرف وہی لوگ جو یہاں آئے ہیں وہ دو مجرم ہیں۔ اگر وہ آزادانہ طور پر سامنے آتے اور آرٹیکل 136 کے تحت خصوصی اجازت کے لیے درخواست پہلے بھیج دیتے تو ان کی درخواست فوری طور پر خارج ہو جاتی کیونکہ ان کے مقدمات میں اس آرٹیکل کے تحت اپیل کا جواز پیش کرنے کے لیے کچھ خاص نہیں ہے۔ ان کے خلاف ثبوت واضح ہیں اور یہ مانا گیا ہے کہ اس کے مطابق، اپنے معمول کے اصول پر عمل کرتے ہوئے، ہم درخواست کو محدود طور پر مسترد کر دیتے۔ لیکن، ان کی جانب سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ سٹیفلیٹ حاصل کرنے کے بعد اب ہم اپیل کی ایک عام عدالت بن چکے ہیں اور حقائق اور قانون دونوں ایپلیٹ عدالت کے طور پر ان کے کیس کی سماعت کرنے کے پابند ہیں۔ سبھانند چودھری بنام اپور باکرشنا مترا (1) میں رپورٹ کردہ وفاقی عدالت کے فیصلے پر انحصار کیا گیا تھا۔

ہمیں نہیں لگتا کہ وفاقی عدالت کے فیصلے کا اطلاق اس معاملے پر ہو سکتا ہے۔ یہ بھارتیہ حکومت کے ایکٹ، 1935 کی دفعہ 205 سے متعلق ہے، جو ایک مختلف موضوع کا احاطہ کرتا ہے اور ایک ہی یا اسی طرح کے الفاظ استعمال نہیں کرتا ہے۔ اس عدالت کو بھارت کی تمام عدالت عالیان پر عدالتی نگرانی کے عمومی اختیارات حاصل ہیں اور وہ آئین کا حتمی ترجمان اور سرپرست ہے۔ یہ دیکھنا اس کا فرض ہے کہ ان توضیحات پر وفاداری کے ساتھ عمل کیا جائے اور جہاں ضروری ہو، ان کی وضاحت کی جائے۔ آرٹیکل 134(1)(سی) وہی زبان استعمال کرتا ہے جو آرٹیکل 133(1)(سی) میں استعمال ہوتی ہے۔ وہاں بیان کردہ چار مقدمات میں سے ہر ایک میں آرٹیکل 133(1) کے تحت ایک سٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن سٹیفکیٹ کی محض منظوری اس عدالت کو یہ طے کرنے سے نہیں روکے گی کہ آیا یہ صحیح طور پر دی گئی تھی اور کیا منظوری کی شرائط پوری ہوئی ہیں۔ آرٹیکل 133(1) اور آرٹیکل 134(1) دونوں کے فقرہ (سی) کے معاملے میں، واحد شرط عدالت عالیہ کی صوابدید ہے لیکن صوابدید عدالتی ہو اور اسے عدالتی طور پر ان معاملات میں منظم کرنے والے اچھی طرح سے قائم کرنے کے ساتھ استعمال بھی کیا جانا چاہیے (دیکھیں بنارس پارشد بنام کاشی کرشنا (2)؛ اس کے علاوہ سٹیفکیٹ کو اس کے حصہ پر یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ دی گئی صوابدید کو مانگا گیا اور جاری کیا گیا: رادھا کرشنا آئیر بنام سوامی ناتھا آئیر (3) اور رادھا کرشنا داس بنام راج کرشنا چند (4)۔ اگر اس کا مناسب طریقے سے اچھی طرح سے قائم اور مناسب شکل پر استعمال کیا جاتا ہے، تو جیسا کہ تمام سوالات میں جہاں صوابدید کا استعمال شامل ہے، بہت مضبوط بنیادوں کے علاوہ کوئی مداخلت نہیں ہوگی: سوامی نارائن جیتلال بنام آچاریہ دیویندر پرساد جی (5) اور بھاگتی دینی بنام مرالی دھرسا ہو (6)۔ لیکن اگر حکم کے حصے پر، یہ واضح ہے کہ عدالت نے غلط طریقے سے دی گئی ہدایت کو خود ہی بتایا ہے اور سمجھا کہ اس کی صوابدید پر قدغن لگائی گئی جب کہ یہ نہیں تھا۔

یاد رہے کہ اس کے پاس کوئی نہیں تھا، تو اعلیٰ عدالت کو یا تو کیس کو تخفیف کرنا ہوگا یا خود صوابدید کا استعمال کرنا ہوگا: برجن اندرسنگھ بنام کانشی رام (1)۔ یہ وہ معروف سمتے ہیں جن پر اعلیٰ عدالتوں میں صوابدید کے سوالات سے نمٹا جاتا ہے اور وہ آرٹیکل 134(1)(سی) کے تحت تصدیق شدہ دستاویزات پر اتنی ہی منظوری کے ساتھ لاگو ہوتے ہیں جتنی کہ دوسری جگہوں پر ہوتے ہے۔

موجودہ کیس میں عدالت عالیہ کے ماہر ججوں نے سوچا کہ ان کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے قانون کے بارے میں خود کو غلط سمت میں پیش کیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے حاصل شدہ صوابدید کا استعمال نہیں کیا۔ وہ بالکل واضح ہیں کہ اگر ان کے فیصلے میں قانون نے انہیں کسی بھی صوابدید کے استعمال کے لیے گنجائش چھوڑی ہوتی تو وہ کیا کرتے، کیونکہ

وہ کہتے ہیں کہ

"عام طور پر انہیں کوئی سند نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان کے معاملات میں غیر معمولی نوعیت کا کچھ بھی نہیں ہے۔"

اس لیے ہم یہ مانتے ہیں کہ ٹیٹفلیٹ اپیل گزاروں کو غلط طریقے سے دی گئی تھی اور ان کے کیس کو آرٹیکل 136(1) کے تحت خصوصی اجازت کے طور پر لیا جائے گا۔

اس زاویے سے دیکھا جائے تو یہ معاملہ خصوصی اجازت کے لیے مناسب نہیں ہے۔ عدالت عالیہ واضح نتیجہ دیتی ہے کہ پانچ سے زیادہ افراد موجود تھے اور مانتی ہے چشم دید گواہ جو دونوں اپیل گزاروں کی شناخت کرتے ہیں۔ محض یہ حقیقت کہ حملہ آوروں کے گروہ میں سے صرف دو کی تسلی بخش شناخت کی گئی تھی، اس نتیجے کی زور کو کمزور نہیں کرتی ہے کہ پانچ سے زیادہ ملوث تھے۔ اس لیے مجموعہ تعزیرات بھارت 149 کی دفعہ 149 کا استعمال جائز تھا اور سزائیں مناسب ہیں۔

ہمیں جملوں میں مداخلت کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ بستر پر سوئے ہوئے بے بس افراد پر صبح دو بجے ہونے والے حملے میں متعدد افراد شامل ہو گئے۔ حملہ آوروں میں سے کم از کم ایک بندوق یا پستول سے لیس تھا۔ اس نے ایک شخص کو گولی مار کر ہلاک کر دیا اور دوسرے کو قتل کرنے کی کوشش کی، اور گروہ نے ان کی جائیداد لوٹ لی۔ دو سال، چار سال اور جلائی وطنی کی سزائیں اس لئے شدید نہیں ہیں اور ان پر نظر ثانی کی ضرورت نہیں ہے۔

اپیل ناکام ہو جاتی ہے اور مسترد کر دی جاتی ہے۔

اپیل مسترد کر دی

گئی۔